اب ہم ان ایک درجن شذرات، منظومات اور مقالات کی کسی قدر وضاحت کرتے ہیں تاکہ اقبال اور افغانستان کا رابطہ آشکار تر ہو۔

۱- سرور خان گویا مرحوم کو دراصل کلامِ اقبال کا ایک تعارف اور مثنوی اسرارِ خودی کا ایک انتخاب پیش کرنا تھا۔ انھوں نے اسرارِ خودی، رموزِ بیخودی، پیامِ مشرق، بانگِ درا اور زبورِ عجم کا تصانیفِ اقبال کے طور پر اجمالی ذکر کیا، اور قارئین کو یہ مژدہ بھی سنایا کہ "جاوید نامہ" کے نام سے علامہ ممدوح کی ایک فارسی شعری کتاب زیرِ اشاعت ہے۔ مقالہ نگار کو حیاتِ اقبال کی جزئیات کی ہنوز خبر نہ تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ سردار صلاح الدین سلجوقی، اقبال کے بارے میں ضروری معلومات بھیجنے والے ہیں، اور وہ بھی اگلے شمارے میں مرتب کر کے شائع کر دی جائیں گی۔ خودی اور خود شناسی کی توصیف کے بعد، انھوں نے مثنوی اسرارِ خودی کے چند اشعار بطور انتخاب نقل کیے ہیں۔ انتخاب مثنوی کے مختلف حصوں سے ہے تاکہ قارئین تصورِ خودی، مراتبِ خودی اور اس کی قوت و ضعف کے عوامل جان سکیں۔[۵۲]

۲- جون ۱۹۳۲ء کے شمارے میں شاہزادہ احمد علی خان درّانی، ڈائرکٹر انجمن ادبی کابل نے "مشاہیر کے نام سے برصغیر ہند و پاکستان، ایران اور ترکی کے چار شعرا و ادبا کا تعارف کروایا ہے: اقبال، ٹیگور، بہار مشہدی اور نامق کمال۔ پہلا نام اور مفصل تر تعارف حضرت علامہ کا ہی ہے (پورے ۱۱ صفحے)۔ اقبال کے حالات غالباً سردار صلاح الدین سلجوقی کی یادداشت کی مدد سے لکھے گئے ہیں، اور ان میں سوائے تاریخ ولادت[۵۳] کے کوئی چیز قابلِ اصلاح نہیں۔ مقالہ نگار نے اقبال کے تصورِ عشق، جذبۂ آزادی و بیداری، خودی آموزی، اتحادِ عالمِ اسلام کے پیغام اور تلقینِ سخت کوشی پر اچھا لکھا ہے۔ "جاوید نامہ" اسی سال شائع ہوا تھا۔ مصنف نے اس کتاب پر بھی اچھا تبصرہ لکھا اور اقبال کے درسِ اخلاق اور بے تعصبی کی بھرپور تعریف کی ہے۔ اقبال نے طواسین رسل کے زیرِ عنوان زرتشت، گوتم بدھ، حضرت عیسیٰ مسیحؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۵۲] [illegible] الہ آبادی کے ۹۰ کے قریب اشعار کا فارسی میں منظوم ترجمہ بھی ملتا ہے۔ مترجم مستغنی اور مہاجے۔

[۵۳] یہاں ۱۸۷۷ء مرقوم ہے جبکہ اب ۹ نومبر ۱۸۷۷ء علامہ کی مسلّمہ تاریخ ولادت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تعلیمات کی ایک جھلک پیش کی ہے۔ مقالہ نگار اس سے غیر معمولی متاثر ہے کہ اقبال نے زرتشت اور گوتم بدھ کو بھی، ان کے پیروؤں کے عقائد کے مطابق، انبیاء کے زمرہ میں شامل کر دکھایا ہے۔

اقبال نے غالباً مجلہ کابل والوں کی دعوت پر، ذیل کے چھ شعر مع اپنے فوٹو کے 'پیام بہ ملت کہسار' کے عنوان سے انھیں بھیجے تھے۔ اقبال کے تعارف کے آخر (ص ۲۳) میں اشعار اور اقبال کے فوٹو کا عکس بھی چھپا ملتا ہے:

صبا بگوی بافغان کوہسار از من بمنزلی رسد آن ملتی کہ خود نگر است
مرید پیر خراباتیانِ خود بین شو نگاہ او ز عقاب گرسنہ تیز تر است
ضمیر تست کہ نقشِ زمانہ، نو کشد نہ حرکت فلک است این نہ گردش قمر است
دگر بسلسلۂ کوہسار خود بنگر کہ تیر کلیمی و صبح تجلی، دگر است
بیا، بیا کہ بدامان 'نادر' آویزیم کہ مرد پاک نہاد است و صاحبِ نظر است
یکی است ضربتِ اقبال و ضربتِ فرہاد جز اینکہ تیشۂ ما را، نشانہ بر جگر است

مندرجہ بالا پانچ شعر حال ہی میں ایک پاکستانی مجلے[۵۴] اور ایک کتاب[۵۵] میں شائع ہوئے ہیں۔

۳۔ اگست ۱۹۳۲ء کے ماہنامہ کابل میں 'جاوید نامہ' کے دہ اشعار چھاپے گئے جن میں افغانستان و ایران کے راہبروں کی تعریف کی گئی ہے، نیز مشرقی اقوام کے لیے تقلیدِ مغرب کے مضمرات بتائے گئے ہیں جیسے:

آنچہ بر تقدیر مشرق قادر است عزم و حزم پہلوی و نادر است
پہلوی آن وارثِ تخت قباد ناخن او عقدۂ ایران گشاد
نادر آن سرمایۂ دُرانیان آن نظام ملتِ افغانیان
آسیا یک پیکر آب و گل است ملتِ افغان در آن پیکر دل است

---

۵۴ دو ماہی اسلامی تعلیم لاہور (مارچ تا جون ۱۹۷۴ء)

۵۵ اوراقِ گم گشتہ مرتبہ رحیم بخش شاہین، لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۲۱۸-۲۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرق را از خود برد تقلید غرب　　باید این اقوام را تنقید غرب
قوت مغرب نه از چنگ و رباب　　نی ز رقصِ دخترانِ بی حجاب
نی ز سحرِ ساحران لاله روست　　نی ز عریان ساق و نی از قطعِ موست
محکمی او را نه از لادینی است　　نی فروغش از خط لاتینی است
قوتِ افرنگ از علم و فن است　　از همین آتش چراغش روشن است
علم و فن را ای جوان شوخ و شنگ　　مغز می باید نه ملبوسِ فرنگ

۴ اور ۵ - یعنی دسمبر ۱۹۳۲ اور جنوری ۱۹۳۳ء کا ماہنامہ کابل - ان دو شماروں میں جاوید نامہ کا حصہ "خطاب بہ جاوید" (سخنی با نژاد نو) تمام چھاپا گیا اور ملتِ اسلامیہ کے نوجوانوں کو دعوت دی گئی کہ علامہ اقبال کے حکیمانہ درسِ اخلاق کو حرز[۵۶] جان بنائیں:

لا اله گوئی، بگوی از روی جان　　تا ز اندامِ تو آید بوی جان
مهر و مه گردد ز سوز لا اله　　دیده ام این سوز را در کوه و که
این دو حرف لا اله گفتار نیست　　لا اله جز تیغ بی زنهار نیست
سینه ها از گرمیِ قرآن تهی　　از چنین مردان چه امید بهی؟
صاحبِ قرآن و بی ذوقِ طلب　　العجب، ثم العجب، ثم العجب
کم خور و کم خواب و کم گفتار باش　　گرد خود گردنده چون پرکار باش
شیوهٔ اخلاق را محکم بگیر　　پاک شو از خوفِ سلطان و امیر
عدل در قهر و رضا از کف مده　　قصد در فقر و غنا از کف مده
حفظِ جان ها ذکر و فکرِ بی حساب　　حفظِ تن ها ضبطِ نفس اندر شباب
دین سراپا سوختن اندر طلب　　انتهایش عشق و آغازش ادب

---

۵۶ عنوان: اشعارِ اخلاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ اقبال، سر راس مسعود، پروفیسر ہادی حسن اور بیرسٹر غلام رسول خان کی ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو افغانستان میں آمد کا ذکر ہے۔ مجلّہ کابل کی طرف سے ان حضرات کو خوش آمدید کہا گیا ہے۔ سید سلیمان ندوی مذکورہ حضرات کے چند دن بعد کابل پہنچے تھے۔ (دیکھیے ان کی کتاب 'سیر افغانستان'، مطبوعہ ۱۹۳۴ء)

۷۔ دسمبر ۱۹۳۳ء کے 'کابل' میں اقبال اور ان کے ہم سفروں کی افغانستان میں مصروفیات کا ذکر ہے، خصوصاً انجمن ادبی کابل میں ان کی ایک ضیافت کا پورا حال۔ ایک صفحے پر سر راس مسعود، اقبال اور سید سلیمان کی تصویر ہے۔ انجمن نے ان حضرات کو ایک سپاس نامہ پیش کیا اور قاری عبداللہ خان نے فارسی میں شعر پڑھے جو 'عزیزان زہندوستان آمدند' سے شروع ہوتے ہیں' اور 'سیر افغانستان' اور کئی دوسری کتابوں میں نقل ہو چکے ہیں۔ اس موقع پر پروفیسر ہادی حسن نے فارسی میں اور باقی تینوں حضرات نے اردو میں تقریریں کیں جن کا فارسی میں ترجمہ شدہ متن اس مجلے میں موجود ہے۔ اقبال کی تقریر کا متن 'مقالاتِ اقبال'، مرتبہ سید عبدالواحد معینی اور دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ مجلے میں اس متن کو درج کرتے وقت اقبال کی تصویر بھی ساتھ شائع کی گئی ہے (ص ۹۲ تا ۹۴)۔ بیرسٹر غلام رسول خان، جو مدرسہ حبیبیہ کابل میں استاد بھی رہ چکے تھے، غالباً انجمنِ ادبی کی ضیافت میں شریک نہ تھے۔

۸۔ اقبال کی مثنوی 'مسافر'، اُن کے سفر افغانستان کی یادگار ہے۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی۔ دسمبر ۱۹۳۴ء کے 'کابل' میں اس مثنوی کا توصیفی ریویو ملتا ہے۔ مثنوی کے مختلف حصوں کا ایک حسین انتخاب بھی شاملِ اشاعت ہے۔ اس مثنوی میں اقبال نے دو غزلیں بھی شامل کی ہیں جو واقعی لائقِ تعریف ہیں۔ دوسری غزل اس طرح ہے:

از دیرِ مغان آیم بی گردش صہبا مست — در منزل لا بودم از بادۂ اِلّا مست

دانم کہ نگاہِ او ظرف ہمہ کس بیند — کرد است مرا ساقی از عشوہ و ایما مست

وقت است کہ بکشایم میخانۂ رومی باز — پیرانِ حرم دیدم در صحن کلیسا مست

این کارِ حکیمی نیست، دامانِ کلیمی گیر — صد بندۂ ساحل مست، یک بندۂ دریا مست

دل را بچمن بردم از باد چمن افسرد — میرد بہ خیابانہا این لالۂ صحرا، مست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

از جعبِ دل آید بروش اسرارِ حرم پیدا — دی کافر کی دیدم، در وادی بطحاست
سیناست کہ فاران است؟ یا رب چہ مقام است این — ہر ذرہ خاکِ من چشمی است تماشاست

یہ تبصرہ انجمن ادبی کے "ادارہ" کی طرف سے ہے۔ تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ اقبال کی توجہ برصغیر کے مسلمانوں تک محدود نہیں، بلکہ وہ افغانستان سمیت سارے عالمِ اسلام کی طرف دقیقتاً دیکھ رہے ہیں۔ فارسی ادب کو ناز کرنا چاہیے کہ آج اسے رومی، سعدی، حافظ اور بیدل ایسے چار بڑے استادوں کے بعد "اقبال" ملا ہے جس میں ان سب کی خصوصیات موجود ہیں:

"یکی از فضائلِ عمدہ و بزرگ علامہ ممدوح کہ مارا بہ موحش بی اختیار می نماید، این است کہ وی فضل و استعداد خود را مخصوصِ ہند نساختہ بلکہ از جملہ فضلا و علمائے بین المللی اسلام بہ شمار می رود۔ این فاضل شہیر یک سوزِ حقیقی ہموارہ برائے معارفِ گزشتہ و عظمتِ رفتہ اسلام داشتہ و تمام قوای و موجودیتِ خود را در صدد رہنمونی و سنجیدن جادہ ہا برائے عودت ترقی و عظمتِ اسلام می باشند" (ص ۸۲)

۹۔ قصائدِ بہاری اور مناظرِ طبع کی تصویر کشی کے نمونے پیش کرنے کے ضمن میں اپریل ۱۹۳۵ء کے "کابل"، میں اقبال کے ساقی نامہ اور قطعہ کشمیر کو (مقتبس از پیامِ مشرق) شائع کیا گیا ہے مگر کشمیر کے مقامی رنگ کے حامل مندرجہ ذیل اشعار حذف دکھائے گئے ہیں:

کشمیری کہ با بندگی خو گرفتہ — بتی می تراشد ز سنگِ مزاری
ضمیرش تہی از خیال بلندی — خودی ناشناسی، ز خود شرمساری
بریشم قبا خواجہ از محنتِ او — نصیبِ تنش جامہ تا تاری
نہ در دیدۂ او فروغ نگاہی — نہ در سینۂ او دل بی قراری
از آن می فشان قطرہ ای بر کشیری — کہ خاکسترش آفریند شراری
دختر کی برہمنی، لالہ رخی، سمن بری — چشم بروی او کشا، باز بخویشتن نگر

۱۰۔ ڈاکٹر اقبال، شاعر و فیلسوفِ ہند، کی وفات (۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء) پر مجلہ "کابل" نے تعزیتی پیغامات اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقاریر وغیرہ کی خاطر ۱۵ صفحے (۸۰ تا ۹۲) مخصوص کیے۔ شاہزادہ احمد علی خان درانی اور غلام جیلانی خان اعظمی نے انجمن ادبی کے تعزیتی جلسے منعقدہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء میں اقبال پر مقالے پڑھے جن میں علامہ مرحوم کی زندگی اور کارناموں پر روشنی ڈالی گئی۔ اقبال و افغانستان، انحطاطِ عالمِ اسلام و نغمۂ بیداریٔ اقبال، اقبال مخالفِ وطنیتِ محدود مسلمانان، قرآن و اقبال اور تاثیر کلامِ اقبال، ان مقالوں کے ذیلی عناوین ہیں۔ یہاں اقبال کی اس بے چینی کی تصویر کشی کی گئی ہے جو امیر امان اللہ خان کی معزولی اور جنرل نادر خان کی واپسی تک انھیں لاحق رہی۔ نادر شاہ شہید کے اقبال کے ساتھ خاص مراسم کا ذکر کیا گیا۔ "پیغام اقبال بہ ملتِ کوہسار" کے تحت علامہ مرحوم کے وہ چھ شعر جو اسی مقالے میں مندرج ہو چکے، یہاں دوبارہ نقل کیے گئے اور اکتوبر و نومبر ۱۹۳۳ء کے دورۂ اقبال کی خاص خاص باتیں پھر لکھی گئی ہیں۔[۵] سر راس مسعود،[۵] اقبال اور سید سلیمان ندوی کی ایک تصویر بھی شائع کی گئی ہے۔ آخر میں سرور خان گویا کی جانب سے اشعارِ اقبال کا ایک حسین انتخاب شامل اشاعت کیا گیا جو پیامِ مشرق، مسافر اور پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق کے اشعار پر مشتمل ہے۔ سرور خان گویا ایک تصویر میں یہ اشعار پڑھتے نظر آتے ہیں۔ قیام الدین خادم نے بزبانِ پشتو اقبال کے سوگ میں دو نظمیں لکھی اور چھپوائی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس دن وزارتِ تعلیم، افغانستان، نے بھی اقبال کی روح کے ایصالِ ثواب کی خاطر تعزیتی جلسہ منعقد کیا تھا۔

۱۱۔ فروری و مارچ ۱۹۳۹ء کا شمارہ مظہر ہے کہ انجمن ادبی کابل نے اقبال کی پہلی برسی پر بھی ایک ادبی و شعری مجلس منعقد کی تھی۔

۱۲۔ ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۹ء کے "کابل" میں قیام الدین خادم نے ڈاکٹر سید عابد حسین کے اس اردو مقالے کا فارسی ترجمہ پیش کیا جو غلام دستگیر کی کتاب "فکرِ اقبال" (مطبوعہ دکن، ۱۹۴۳ء) میں موجود ہے۔ اردو اشعار کا فارسی نثر میں ترجمہ کیا گیا ہے اور بعض عمدہ توضیحات کا اضافہ مترجم بھی نظر آتا ہے۔ "اقبال شناسی در افغانستان" کی داستان اسی قدر ہے۔

---

[۵] سر راس مسعود کی وفات پر بھی ماہنامہ کابل بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۷ء میں ایک مختصر سا تعزیتی نوٹ چھپا تھا۔

© rasailojaraid.com

سید [illegible] ہاشمی

سید علی ہجویریؒ ـــــ نمائندۂ تصوّفِ اسلامی

مشہور محقق آنجہانی ژوکوفسکی بجا طور پر ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا کتاب "کشف المحجوب" کو متعدد متون سے مقابلہ و تصحیح کر کے ۱۹۲۶ء میں شائع کیا۔ کتاب چونکہ کم تعداد میں چھپی تھی اس لیے بہت جلد نایاب ہو گئی۔ چنانچہ دوبارہ جناب محمد عباسی نے بہت سی مشکلات کے باوجود اپنے ایک عالمانہ مقدمے کے ساتھ اسی کتاب کو بجنسہٖ تہران سے شائع کرالیا جس کے لیے ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں۔ کتاب کے مقدمے میں جناب عباسی نے غالباً ایرانی عصبیت کے تحت چند ایسی باتیں تحریر کی ہیں جو محلِ نظر ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس تحریر سے صوفیائے کرام کے افکارِ عالیہ کے بارے میں قسم قسم کی غلط فہمیاں جنم لے سکتی ہیں۔ اس لیے ہم ان کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔

دو متضاد طرزِ احساس

ہمارے فکری و تہذیبی ارتقا میں دو تہذیبی طرزِ احساس اور عوامل کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ ایک تو آریائی دوسرا سامی۔ آریائی فکر کی اساس دانش و بینش اور حکمت کے تجریدی نظریات پر رہی ہے۔ اس کا طرزِ احساس یہ ہے کہ:

"تم اپنے نقطۂ نظر کو تبدیل کرو، ساری کائنات تبدیل ہو جائے گی۔"

اس طرزِ احساس میں عملیت کو کوئی اہم مقام حاصل نہیں۔ اس کے برعکس سامی فکر کی ساری اساس ہی عملیت پر ہے۔ اس کے نزدیک فکر اگر محض فکر ہے تو اسے پریشان خیالی کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ دنیا میں حقیقی حکمت وہ ہے جس کا رابطہ زندگی سے قائم ہو، جو زندگی کی گتھیوں کو سلجھا سکے، جو کارگہِ حیات میں حق و باطل اور سود و زیاں کے درمیان امتیاز کرنے کی صلاحیت عطا کر سکے۔ یہی حکمت ایمانی ہے جس کا سرچشمہ قرآنِ حکیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جس جس مقام

© rasailojaraid.com

پر ایمان کا ذکر آیا ہے وہاں وہاں لازماً عملِ صالح کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ صوفیوں اور فلسفیوں کے نقطہ ہائے نظر کے درمیان بھی اختلاف یہی رہا ہے کہ اول الذکر نے زندگی کے اسرار و رموز اور حیات کے تلخ و سنگین حقائق کا امعانِ نظر سے مطالعہ کیا، غلط خواہشات کو پہچانا، دودھ اور پانی کے درمیان تمیز کرنا سیکھا اور پھر فکر اور زندگی کے حقائق کے درمیان تطابق پیدا کیا۔ ان کے خلاف فلسفی زندگی کی حقیقتوں سے منہ موڑ کر بیٹھ رہے، اپنے پریشان خیالات و افکار میں گم، حیات و رزمِ حیات سے لاپروا، لہذا یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ایران قبل از اسلام مانی کے زیرِ اثر آریائی طرزِ احساس کا اسیر تھا۔ لیکن جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو وہ ایران، جو حقائق کی دنیا سے دور، افکار کی پہنائیوں میں گم تھا، ہوش میں آگیا۔ اسے زندگی کی معرفت حاصل ہوئی۔ قنوطیت کی جگہ رجائیت آئی۔ ثنویت کے جال بکھر گئے اور توحید کی تلوار نے ان تمام بندھنوں کو کاٹ ڈالا، جنھوں نے ایرانیوں کے افکار کو جکڑ رکھا تھا۔ پھر تو اسی ایران نے ایسے ایسے نابغۂ روزگار پیدا کیے کہ ان کے نام آج عالمِ انسانیت کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔

فاضل مقدمہ نگار جناب محمد عباسی نے کشف المحجوب کے مقدمے میں "تجلیاتِ تصوفِ ایرانی" کے عنوان کے تحت "تصوفِ ایرانی" کو مظہرِ صفائے قلب، کمالِ عقل، پہنائے دانش و بینش نژادِ ایرانی مبین خصوصیاتِ ملی و عظمتِ معنوی" سب کچھ کہا ہے اور بالکل درست فرمایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے اگر ایران کو ژولیدہ فکری کے دلدل سے نکال کر حقیقت آشنا کیا تو ایران نے بھی اسلامی فکر کو تعمق و تفکر عطا کیا۔ اور ایسا تو ہوا ہی کرتا ہے۔ داد و ستد کا عمل تہذیبی ارتقا میں برابر جاری رہتا ہے اور جاری رہنا بھی چاہیے۔ لیکن یہ بات کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ لینے اور دینے، تاثیر و تاثر اور فعل و انفعال کا یہ عمل دو طرفہ ہوتا ہے۔ یعنی جب دو تہذیبیں یا دو تہذیبی افکار ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ہر تہذیب دوسری تہذیب سے متاثر ہوتی ہے۔

فاضل مقدمہ نگار نے تحریر فرمایا ہے: "آنانکہ تاریخِ تصوفِ ایران را در چارچوب اسلام مطالعہ می کنند سخت در اشتباہ اند زیرا طبق اسناد مسلم علمی و تاریخی تصوفِ ایرانی سابقہ سہ ہزار سالہ دارد و بالیستی ریشہ ہائے عمیق تصوفِ ایران بعد از اسلام را در تاریخ تحولات فکری و فلسفی ایران [illegible]

© rasailojaraid.com